ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور علومِ مروّجہ

خودی اور فلسفۂ تاریخ

تمام انسانی فعلیتیں خودی کے عمل کی قوتِ محرکہ کے مظاہر ہیں اور تاریخ کا عمل نوعِ انسانی کی ایک مسلسل فعلیت ہے۔ لہٰذا وہ بھی انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ کا ایک مظہر ہے اور وہ اپنی اسی حیثیت سے صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ خدا کی محبت ہے جو اگر بھٹکی ہوئی ہو تو کسی غلط نصب العین کی محبت کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ کے سارے واقعات جن سے افراد کی زندگیاں اور انسانی قبیلوں، گروہوں، قوموں، بادشاہتوں، سلطنتوں اور ریاستوں کی سیاسی، قانونی، اخلاقی، تعلیمی، علمی، فنی اور جنگی سرگرمیاں اور قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کی داستانیں تشکیل پاتی ہیں، خدا کی صحیح یا غلط جستجو کے مظاہر ہیں، جو کبھی سچے خدا کی جستجو کے ضمن میں رونما ہوتے ہیں اور کبھی خدا کے کسی قائم مقام غلط نصب العین کی محبت کی تشفی کے سلسلہ میں ظہور پاتے ہیں۔ ہر ریاست اور ہر تہذیب کسی نصب العین پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی غلط نصب العین پر مبنی ہوگی تو انسان کے جذبۂ محبت کو مستقل اور مکمل طور پر مطمئن نہیں کر سکے گی اور لہٰذا ناپائیدار ہوگی لیکن اگر وہ صحیح نصب العین یعنی خدا کے نصب العین پر مبنی ہوگی تو پھر وہ جس حد تک اس پر مبنی ہوگی مستقل اور پائیدار ہوگی۔ یہ حقیقت ایک صحیح، معقول اور مدلّل فلسفۂ تاریخ کے مرکزی تصور کا درجہ رکھتی ہے۔ تاریخ کا کوئی فلسفہ جو اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہو صحیح اور معقول اور مدلل نہیں ہو سکتا لیکن افسوس ہے کہ تاریخ کے جو فلسفے آج تک مغرب میں لکھے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس میں اس حقیقت کو مدِ نظر رکھا گیا ہو۔ اور لہٰذا ان میں سے کوئی بھی صحت اور معقولیت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ ان فلسفوں میں سب سے زیادہ مشہور شپینگلر، ٹائنبی، سوروکن، ڈینی لیوسکی اور کروبر کے فلسفے [illegible] کے تحت مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

© rasailojaraid

خودی اور فلسفۂ اخلاق (Ethics)

انسان کے اخلاقی افعال بھی خودی کے عمل کی قوتِ محرکہ یعنی خدا کی محبت کے مظاہر ہیں جب خدا کی محبت کا فطری جذبہ بھٹک کر ایک غلط نصب العین کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو انسان کے اخلاقی افعال بھی بھٹک کر اِس نصب العین کی مطابقت کرتے ہوئے اُسی غلط راستہ پر پڑ جاتے ہیں اور غلط ہو جاتے ہیں۔ ہر نصب العین کا چاہنے والا اپنے نصب العین سے محبت رکھنے کی وجہ سے جانتا ہے کہ اپنی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے اور نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے اُسے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیے کون سا فعل نصب العین کی محبت کی تشفی کر سکتا ہے اور کون سا نہیں کر سکتا، لہٰذا اس نصب العین کے نقطۂ نظر سے کون سا فعل صحیح ہے اور کون سا غلط، کون سا نیک ہے اور کون سا بد، کون سا اچھا ہے اور کون سا بُرا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نصب العین کا ایک اپنا ضابطۂ اوامر و نواہی یا ضابطۂ اخلاق ہوتا ہے جو اتنا ہی بلند یا پست، اچھا یا بُرا اور صحیح یا غلط ہوتا ہے جتنا کہ وہ نصب العین جس سے یہ صادر ہوتا ہے، بلند یا پست، اچھا یا بُرا اور صحیح یا غلط ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ بلند، اچھا اور صحیح ضابطۂ اخلاق وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ بلند، اچھے اور صحیح نصب العین سے پیدا ہوا اور اُسی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ خودی کی فطرت کی رُو سے یہ نصب العین خدا ہے۔

مغرب کے فلسفۂ اخلاق کا سب سے اہم سوال یہ ہے کہ انسان کے اخلاقی افعال کی غایت الغایات یا اس کو متعین کرنے والا آخری اصول یا سمم بونم (Summum Bonum) کیا ہے۔ اس سوال کا کوئی معقول جواب ابھی تک نہیں دیا جا سکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معقول جواب خدا ہے اور خدا کا تصور مغرب کے کسی علم میں جگہ نہیں پا سکتا۔ یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ دو نصب العینوں سے بیک وقت محبت نہیں کر سکتا اور نہ ہی بیک وقت دو نصب العینوں کے اخلاقی ضابطوں پر عمل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے ہر شخص کو ایک ہی دِل دیا گیا ہے اور کسی شخص کے پہلو میں دو دل نہیں ہوتے کہ وہ دو الگ الگ نصب العینوں اور دو الگ الگ اخلاقی ضابطوں کو جمع کر سکے۔ یہ حقیقت ان لوگوں کے لیے قابلِ غور ہے جو اسلام کے ساتھ سوشلزم کا جوڑ لگانا چاہتے ہیں۔ یہ جوڑ اس لیے ممکن نہیں کہ سوشلزم اور اسلام دو مختلف نصب العین

ہیں اور اُن کے اخلاقی ضابطے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگر دونوں کو جوڑنے کی کوشش کی جائے گی تو نہ اسلام ہی مؤثر رہے گا اور نہ سوشلزم۔ فلسفۂ اخلاق کے عنوان کے تحت مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

خودی اور فلسفۂ سیاست

خودی کی فطرت میں اس حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ انسان کی ہر فعلیت کی طرح اُس کی سیاسی فعلیت بھی خدا کی جستجو اور خدا کی محبت کے جذبہ کی تشفی کا ایک ذریعہ ہے۔ جب خودی کا جذبۂ محبت اپنے صحیح اور فطری مقصود اور مطلوب یعنی خدا کی طرف راستہ نہیں پا سکتا تو کسی قائم مقام غلط تصور کے ذریعے اپنا اظہار پانے لگتا ہے۔ جب ایک ہی نصب العین کو چاہنے والے افراد اپنے مشترک نصب العین کی جستجو کے لیے ایک قائد کے ماتحت متحد اور منظم ہو جاتے ہیں تو وہ ایک ریاست کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ریاست اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لیے اپنے ماتحت اپنے نصب العین کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق تعلیمی، اخلاقی، مالی، زراعتی، صنعتی، تجارتی، قانونی اور فوجی ادارے قائم کرتی ہے۔ ان اداروں کا کام اُن کے مقاصد کے لحاظ سے اتنا ہی اچھا یا بُرا ہوتا ہے جتنا کہ وہ نصب العین جس پر ریاست اور اُس کے یہ ادارے قائم ہوتے ہیں۔ اگر ایک ریاست خُدا کے نصب العین پر مبنی نہ ہو تو چونکہ اس کا نصب العین اس کے افراد کے جذبۂ محبت کو مستقل اور مکمل طور پر مطمئن نہیں کر سکتا وہ ریاست ناپائیدار ہوتی ہے کیونکہ اُس ریاست کے افراد زُود یا بدیر اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے نصب العین کو چھوڑ کر کسی اور زیادہ تسلی بخش نصب العین کو اختیار کریں۔ ایک جو کامل بھی ہے اور پائیدار بھی۔ ایسی ریاست کے تعلیمی، اخلاقی، فنی، علمی، صنعتی، تجارتی، مالی، زرعی، اطلاعاتی، قانونی اور فوجی اور پائیدار بھی۔ ایسی ریاست کے تعلیمی، اخلاقی، فنی، علمی، تجارتی، مالی، زرعی، اطلاعاتی، قانونی اور فوجی ادارے اُس کے بلند نصب العین کے بلند مقاصد کو پُورا کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور وہ اُن کو پورا کرتے ہیں، یہاں تک کہ ریاست ہر لحاظ سے اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اپنے حسی صداقت کے بے بنیاد اور غیر عقلی اعتقاد کی وجہ سے مغرب کے حکمائے سیاست خدا کے تصور کو جو فلسفۂ سیاست کی بلکہ انسانی اشغال کے تمام فلسفوں کی رُوح ہے، اپنی کتابوں میں راہ پانے نہیں دیتے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

خودی اور فلسفۂ تعلیم

مغرب کے حکمائے تعلیم اس حقیقت پر متفق ہیں کہ تعلیم ایک نشوونما کا عمل ہے جس سے کوئی چیز انسان کے اندر بڑھتی اور پھولتی ہے لیکن افسوس کہ انہوں نے اس حقیقت کے علمی اور عقلی نتائج اور مضمرات پر غور نہیں کیا اور علمی تحقیق اور تجسس سے یہ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ تعلیم سے انسان کے اندر جو چیز نشوونما پاتی ہے وہ کیا ہے؟ اس کے اوصاف و خواص کیا ہیں، کون سا ماحول اس کی نشوونما کے لیے مفید ہے اور کون سا مضر، اس کی نشوونما کے لیے کون سی چیز غذا کا حکم رکھتی ہے۔ اور کون سی چیزیں حیاتین اور پروٹینات اور فلزات کا کام دیتی ہیں اور وہ چیز آخر کیوں نشوونما پاتی ہے اور ارتقائے عالم کے ساتھ اس کی نشوونما کا کیا تعلق ہے۔ جس طرح قدرت نے انسان کے بدن کی نشوونما کے لیے انسان کے باہر سورج اور چاند اور مینہ برسانے والے بادل اور ہوا اور پانی اور زمین اور قدرتی کھاد اور انسان کے اندر خوراک کی اشتہا اور کھیتی باڑی کرنے اور غلہ اگانے کی صلاحیتیں پیدا کی ہیں، کیا اسی طرح سے قدرت نے اس چیز کی نشوونما کے لیے بھی کوئی اپنا اہتمام کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ تعلیم سے نشوونما پانے والی چیز انسان کا بدن نہیں بلکہ اس کی شخصیت ہے۔ یہی شخصیت انسان کی خودی ہے اور خودی کا مرکزی وصف یہ ہے کہ اس کا مطلوب و مقصود اور محبوب خدا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی صحیح تعلیمی نشوونما صرف ایک سمت میں ممکن ہے اور وہ خدا کے نصب العین کی سمت ہے۔ اور یہ تعلیمی نشوونما بیک وقت خودی کی نشوونما بھی ہے اور خدا کی محبت کی نشوونما بھی۔ خودی ایک ایسے تعلیمی ماحول میں تربیت پا سکتی ہے جو خدا کی محبت کو ترقی دینے کے لیے سازگار ہو۔ انسان کا جسم غذا کو جذب کر کے تربیت پاتا ہے لیکن انسان کی خودی حسن کو جذب کر کے تربیت پاتی ہے۔ حسن کا مبدأ اور منتہا خدا ہے۔ خدا کی صفاتِ حسن گویا خودی کی غذا کے اندر حیاتین اور پروٹینات کا حکم رکھتی ہیں۔ اگر کوئی نصب العین ان صفات سے عاری ہو گا (اور خدا کے سوائے ہر نصب العین ان صفات سے عاری ہوتا ہے) تو وہ خودی کی تربیت نہ کر سکے گا۔ لہٰذا معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کے سوائے اور کسی نصب العین کو شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی تعلیم کی بنیاد نہ بننے دے۔ خودی کی تربیت پر انسان کی تکمیل اور تخلیق اور ارتقائے کائنات کے مقصد کی کامیابی کا دارومدار

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہے۔ لہٰذا خدا نے خودی کی تربیت کے لیے اپنا اہتمام کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف سے خودی کی فطرت میں آرزوئے حسن رکھی ہے جو خدا کی محبت سے اطمینان پاتی ہے اور دوسری طرف سے نبوت کے سلسلہ کو شروع کر کے ایک خاص نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں جو آخری نبی ہیں کمال پر پہنچایا ہے تاکہ ہر انسان ان کی مکمل نظری تعلیم اور عملی زندگی کی مکمل مثال سے خدا کی محبت کے طور طریقوں کو سیکھ کر اپنی خودی کی تشفی اور تربیت کر سکے۔ خودی کے لیے حسن کا جذب کرنا سچے خدا کی مخلصانہ عبادت کرنے سچے خدا کی رضامندی کے لیے نیکی کرنے اور سچے خدا کو جاننے کے لیے علم کی جستجو کرنے سے ممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا تعلیم کے یہ تین بڑے ستون ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی تعلیم کی عمارت کو شکستہ کرنے اور خودی کی نشوونما کو نقصان پہنچانے کے بغیر گرایا نہیں جا سکتا۔

مغرب کے حکمائے تعلیم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر قوم یا سوسائٹی کا نصب العین الگ ہوتا ہے اور ہر قوم یا سوسائٹی کا نظامِ تعلیم بھی اُن کے نصب العین کے مطابق ہوتا ہے اور اُسی کی محبت کی پرورش کے لیے وجود میں آتا ہے جدا ہوتا ہے۔ ہر سوسائٹی کے افراد تعلیم کے ذریعہ سے اپنی نئی نسل کو اپنے قومی نصب العین کی محبت اور اس کی تشفی کے لیے اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی قابلیتوں کا وارث بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قوم ایک خاص نصب العین کی پرستار کی حیثیت سے صدیوں تک زندہ رہتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مغرب کے حکماء ابھی تک اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے کہ شخصیتِ انسانی کی مکمل اور آزادانہ نشوونما صرف خدا کے نصب العین کے ماتحت ممکن ہے اور اس کی وجہ پھر ان کا یہی بے بنیاد اور غیر عقلی اعتقاد ہے کہ خدا کا تصور حسی دنیا سے ماورا ہے لہٰذا دائرہ علم میں لایا نہیں جا سکتا۔

جب کسی قوم کا نصب العین خدا نہ ہو تو اس کے فرد کی خودی قوم کے مشترک غلط اور ناقص نصب العین کی طرف نشوونما پاتی ہے جو حسن نیکی اور صداقت کے اوصاف سے بہرہ ور نہیں ہوتا اور اس کی تعلیمی نشوونما اتنی ہی غلط اور ناقص ہوتی ہے جتنا کہ یہ نصب العین غلط اور ناقص ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک طرح کی عبادت کرتا ہے لیکن اپنی عبادت سے حسن کو جذب نہیں کرتا کیونکہ اس کی عبادت ایک ایسے معبود کے لیے ہوتی ہے جو حسن سے عاری ہوتا ہے۔ وہ بھی اخلاقی اعمال میں مشغول ہوتا ہے، لیکن اس کے اخلاقی اعمال صفاتِ حسن کے مطابق نہیں ہوتے۔ وہ بھی علم کی جستجو کرتا ہے، لیکن وہ توقع رکھتا ہے کہ [illegible] علمی حقائق اس کے غلط نصب العین سے مطابقت

© rasailojaraid.com

رکھیں گے اُسی پر روشنی ڈالیں گے اور اُسی کی معرفت میں اضافہ کریں گے۔ لہٰذا وہ کسی سچے علمی حقائق تک یا تو پہنچ ہی نہیں سکتا یا پہنچتا ہے تو اُن کو غلط اور بیکار سمجھ کر رد کر دیتا ہے۔ لہٰذا اُس کی تعلیمی نشوونما غلط سمت میں ہوتی ہے اور صرف اُس کے غلط اور ناقص نصب العین کی محبت میں اضافہ کرتی ہے۔

خودی اور علم الاقتصاد

علم الاقتصاد انسان کی اُس فعلیت کی سائنس ہے جس کے ذریعہ سے وہ دولت کو پیدا کرتا، تقسیم کرتا اور صرف کرتا ہے مغرب کے حکمائے اقتصاد نے جن میں کارل مارکس بھی شامل ہے، علم الاقتصاد کو اس طرح سے مدوّن کیا ہے گویا انسان فقط ایک اقتصادی روبٹ یا مشین ہے اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ اس کی وجہ انسانی خودی کے اسرار سے ان کی ناواقفیت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی اقتصادی فعلیت جس منبع سے صادر ہوتی ہے وہ وہی ہے جس سے اُس کی تمام دوسری فعلیتیں صادر ہوتی ہیں یعنی خودی کا جذبۂ محبت جس کا فطری مقصود سوائے خدا کے اور کچھ نہیں۔ انسان کی اقتصادی فعلیت کی فطری غرض وغایت بھی انسان کی دوسری فعلیتوں کی طرح جسم کے قیام اور بقا کے ذریعہ سے خدا کی محبت کی تسکین اور تشفی ہے اور دولت آفرینی، تقسیم دولت اور صرف دولت ایسے اعمال وافعال کی فطری اہمیت فقط یہ ہے کہ وہ اسی بڑے مقصد کی تکمیل کے ذرائع ہیں۔

اقتصادی انسان فقط اقتصادی انسان ہی نہیں ہوتا بلکہ اخلاقی انسان، روحانی انسان اور سیاسی انسان بھی ہوتا ہے۔ اس کی اقتصادی، اخلاقی، روحانی اور سیاسی فعلیتوں میں سے ہر ایک کے اندر اُس کی باقی تمام فعلیتیں گم ہوتی ہیں۔ لہٰذا انسان کو فقط اقتصادی انسان اور حرص کا پتلا اور دولت کا پرستار فرض کر کے اس کا جو مطالعہ کیا جائے گا وہ درست نہیں ہوگا اور اس کی بنا پر جو نتائج مرتب کیے جائیں گے وہ صحیح نہیں ہوں گے بعض وقت انسان کے نصب العین کے بلند ہونے سے اُس کے بظاہر اقتصادی افعال کے محرکات اور دواعی کچھ اس طرح سے بدل جاتے ہیں کہ ان کو محض اقتصادی نقطۂ نظر سے سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جب انسان کی اقتصادی فعلیت خدا کے نصب العین کے ماتحت نہ ہو تو وہ کسی غلط، ناقص اور باطل نصب العین کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس حالت میں اُس کے اندر وہ تمام خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو طلبِ منفعت، استحصال اور مزدور کی حق تلفی وغیرہ اصطلاحات سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ مغرب کی بے خدا سوسائٹی کے اقتصادی مشاغل میں یہ تمام خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اس صورتِ حال

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کے ردِّعمل کے طور پر ان خرابیوں کو دُور کرنے کے لیے کارل مارکس نے جو حل پیش کیا اُسے سائنٹیفک سوشلزم کا نام دیا جاتا ہے لیکن یہ حل مصنوعی، غیر فطری، جبری اور خارجی ہے اور انسان کی فطرت سے مزاحم ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ زُود یا بدیر خود بخود ناکام ہو جائے۔ ان خرابیوں کو دُور کرنے کا فطری اور کامیاب طریق یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعہ سے سوسائٹی کو باخدا بنایا جائے اور اس طرح سے اُن کے نصب العین کو، جو ان کے اعمال کی قوت محرکہ ہے، اُن کی فطرت کے مطابق کر دیا جائے۔

حسّی صداقتوں کا عقیدہ اور مغربی تہذیب کی ناگزیر تباہی

مغربی حکماء کے اس عقیدہ نے کہ صداقت وہی ہے جسے حواس کے ذریعہ سے معلوم کیا جا سکے نہ صرف مغربی علوم کو صحیح اور معیاری علوم کے درجہ سے گرا دیا ہے اور انسان اور کائنات کے ایسے فلسفوں کو جنم دیا ہے جو نامعقول، غیر مدلل اور گمراہ کن ہیں بلکہ پوری مغربی تہذیب کو موت کے رُوبرو لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ تہذیبِ مغرب کے بعض فریب خوردہ شاید اس بات کو باور نہ کر سکیں، اس لیے میں مغرب کے ایک سربرآوردہ حکیم پروفیسر پٹی رم سوروکن کی کتاب "ہمارے عہد کا بحران" (The Crisis of Our Age) سے کچھ حوالے نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ پروفیسر سوروکن اپنی تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ مغربی تہذیب ایک "المناک بحران" میں مبتلا ہے جو عنقریب اُس کی "تباہی" کا موجب ہوگا اور یہ تباہی "دَورِ حاضر کے انسان کے لیے ذلت اور نکبت" کا پیغام اپنے ساتھ لائے گی۔ وہ لکھتا ہے کہ مغربی تہذیب کے اس بحران کا سبب یہ ہے کہ مغربی تہذیب:

"اس اعتقاد کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی کہ سچی صداقت اور سچی نیکی دونوں کلیۃً یا بیشتر حسّی یا مادی ہیں۔ ہر وہ چیز جو حواسِ خمسہ کی گرفت سے بالا ہے بطورِ صداقت کے فرضی ہے، یا تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں یا اگر کوئی وجود ہے تو چونکہ وہ حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا وہ غیر موجود کے حکم میں ہے۔ چونکہ سچی صداقت اور سچی نیکی کو مادی یا حسّی قرار دے لیا گیا تھا، ہر وہ چیز جو حواس کے ادراک سے ماورا تھی، خواہ وہ خدا کا تصور تھا یا انسان کا شعور، ہر وہ چیز جو غیر حسّی اور غیر مادی تھی اور جو روزمرہ کے تجربات سے دیکھی، سُنی، چکھی، چھوئی یا سونگھی نہیں جا سکتی تھی، ضروری تھا کہ اُسے غیر حقیقی، غیر موجود اور بے سُود قرار دیا جاتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس تجرکاری کا پہلا زہر آلود پھل یہ تھا کہ سچی صداقت اور سچی نیکی کے دائرہ کو مہلک حد و د تک محدود کر دیا گیا

© rasailojaraid.com

اور جب تہذیب ایک بار اس راستہ میں داخل ہو گئی تو پھر اس کو اسی راستہ پر آگے جانا پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ صداقت اور نیکی کی دنیا ہر روز اور زیادہ حسیّت اور مادیت کے تنگ سانچوں میں ڈھلتی گئی۔"

سوروکن آخر کار اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دورِ حاضر کی حسیّت زدہ تہذیب (Sensate Civilization) کو موت کے منہ سے بچانے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ اپنے حسیّت نواز بنیادی مفروضہ کو بدل کر اُس کی جگہ کسی روحانی مفروضہ کو اپنی بنیاد بنائے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اس

"حسیّت زدہ تہذیب کے تمام عقیدوں اور اس کی تمام قدروں کا نئے سرے سے گہرا مطالعہ کیا جائے، اس کی خارج از وقت کاذب اقدار کو رد کیا جائے اور اُن سچی قدروں کو بحال کیا جائے جو اس نے رد کر دی ہیں ..... مذہب اور سائنس کا موجودہ اختلاف حد درجہ تباہ کن ہی نہیں بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ اگر سچی صداقت اور سچی نیکی کے معقول اور تسلی بخش نظریہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہب اور سائنس دونوں ایک ہی ہیں اور ایک ہی مقصد کو پورا کرتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ قادرِ مطلق خدا کی صفات کو اس مرئی دنیا کے اندر آشکار کیا جائے تاکہ خدا کے نام کا بول بالا ہو اور انسان کی عظمت پایۂ ثبوت کو پہنچے۔"

خودی کی فطرت پر نگاہ رکھنے والے لوگ محترم پروفیسر سوروکن کو پورے اعتماد کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ وہ روحانی عقیدہ جو نہایت معقولیت کے ساتھ مغرب کے حسّی اور مادی عقیدہ کی جگہ لے سکتا ہے اور مغربی تہذیب کو موت کے منہ سے بچا سکتا ہے یہ ہے کہ "انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ خدا کی محبت ہے جو بھٹک کر کسی غلط نصب العین کی صورت میں اپنا اظہار کرنے لگتی ہے"۔ یہ بیان علمی زبان میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ترجمہ ہے۔ ع

خودی کا سرِّ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

لہٰذا مغربی تہذیب یا تو مٹ جائے گی یا پھر اس عقیدہ کو اپنا کر فلسفۂ خودی سے، جو قرآن حکیم کا بنیادی فلسفہ ہے، ہمکنار ہو جائے گی اور اسلامی تہذیب کے نام سے تاقیامت زندہ رہے گی۔

(نظریات و علومِ مروجہ کی علمی اور عقلی خامیوں کی مزید تفصیلات کے لیے قارئین میری کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" ملاحظہ فرمائیں)

com